مطالعات قرآنی میں مستشرقین کی کاوشوں کا جائزہ

شتیفان فیلد

ترجمہ: ابوسعد اصلاحی

غیر مسلم یورپین محققین کی قرآن کریم میں دلچسپی کی ایک طویل تاریخ ہے، میں نے اس مقالہ میں اپنی بحث صرف ان محققین کی کاوشوں تک محدود رکھی ہے، جنھوں نے جرمن زبان میں قرآن سے متعلق تحقیقات پیش کی ہیں۔

سترہویں و اٹھارہویں صدی عیسوی میں قرآن سے متعلق جو تحقیقات سامنے آئیں ان کے بارے میں عام رائے یہ ہے کہ وہ جہالت پر مبنی تھیں۔ ان کا مقصد اسلام پر طعن و تشنیع تھا اور ان سے اس عمیق خوف کی عکاسی ہوتی تھی جسے مسیحی کلیساؤں نے ہوا دی تھی۔ چنانچہ ان تحریروں میں سے بیش تر میں قرآن کا وصف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ترکی ہے اور ان عثمانیوں کی مقدس کتاب ہے جنھوں نے ۱۸۶۳ء میں 'ویانا' کا محاصرہ کیا تھا۔ اٹھارہویں صدی عیسوی جو یورپ کی نشأۃ ثانیہ کا زمانہ ہے اس میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور کلیسا کے مابین کشمکش کی وجہ سے قرآن کے بارے میں بتدریج رواداران موقف عام ہوتا گیا۔

روشن خیالی کی تحریک جس خمیر سے اٹھی تھی وہیں سے انیسویں صدی عیسوی میں اسلام اور قرآن سے متعلق جرمن زبان میں ریسرچ و تحقیق کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسے انجام دینے والے یونیورسٹیوں کے اساتذہ، جدید تعلیم یافتہ اور اداروں کے ذمہ دار حضرات تھے۔ لیکن ظاہر ہے وہ مسلمان یا عرب نہیں تھے۔ اسی طرح ان میں سے اکثر اپنے ثقافتی پس منظر کے اعتبار سے یہودی یا عیسائی ہونے کے باوجود عقائد کے لحاظ سے عیسائی و

یہودی نہیں تھے گو ان کی تعداد بہت مختصر تھی۔ اسی طرح انیسویں صدی عیسوی میں جو کتابیں شائع ہوئیں ان کے پڑھنے والے بھی مسلمان یا عرب نہیں تھے ان کتب و مقالات کے پڑھنے والوں میں جرمنی، آسٹریا اور سوئزرلینڈ کے لوگ تھے۔ عیسائیت کے علاوہ ان تمام لوگوں کی دلچسپی صرف اسلام کے مطالعہ کی حد تک نہ تھی، بلکہ ہندو دھرم، بودھ مت، الاسکیمو، ریڈانڈینس وغیرہ مذاہب بھی ان کے زیر مطالعہ تھے۔ ان دنوں یورپین جامعات میں عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت، چینی اور جاپانی زبان کے ماہرین اساتذہ موجود تھے اور قرآنیات پر ریسرچ و تحقیق سے دلچسپی کا عیسائیت کے لاہوتی علم سے گہرا اور مضبوط تعلق قائم تھا۔ انیسویں صدی عیسوی میں کتاب مقدس سے متعلق تنقیدی مضامین بھی سامنے آئے اور اس میدان میں اکثر و بیش تر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ چرچ کے درمیان زبردست مخاصمت رہی۔

ایمان، علم، مذہب و سائنس کے مابین تصادم و کشمکش کے نتیجے میں نئے سوالات پیدا ہوئے۔ یہ سوالات قرآن کریم سے متعلق بھی اٹھائے گئے، لیکن ایسا بہت کم ہوا کہ قرآنی تحقیقات سے دلچسپی کسی سامراجی پس منظر کا نتیجہ ہو، کیوں کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جرمن زبان میں سامراج بہت کم اور مختصر عرصے کے لیے تھا۔ جرمن محققین کی توجہ مختلف لغات، لٹریچر، تہذیبوں اور مذاہب پر مرکوز تھی۔ فطری طور پر ان کے اندر یہ شعور جاگزیں تھا کہ ان کی ثقافت اور ان کا مذہب دیگر ثقافتوں اور مذاہب سے بہت سے پہلوؤں سے افضل ہے۔ چنانچہ بہت سے ایسے عیسائی یا یہودی بھی جو اپنے مذہب کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا تھے اس معاملہ میں ان کے ہم خیال تھے۔ قومی تفوق کا یہ احساس واضح طور پر روشن خیالی کے اصول سے منافی تھا۔ لیکن اس وقت اس احساس کے حاملین کی نگاہ میں یہ بہت واضح نہیں تھا۔ ان کے مقالات میں اس کے اثرات نظر آتے ہیں، چنانچہ بہت سے مسائل میں یورپین بشمول جرمن محققین پرانی باتیں ہی دہرائے چلے جارہے ہیں اور جہاں زیادہ عمیق فہم تک پہنچنے کی کوشش کرنا بہتر تھا، وہاں اکثر سطحی طور پر تنقید کرتے ہیں۔ مزید برآں انھیں عربی زبان سے صحیح طور پر واقفیت بھی نہیں تھی۔ اور جیسا

کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے جرمن محققین کی تحقیقات و مقالات پڑھنے والے عموماً غیر مسلم ہوا کرتے تھے، چنانچہ مشہور مستشرق نولدیکی (Theodor Noldeke) (۱۸۳۶-۱۹۳۰ء) نے جب بیس سال کی عمر میں لاطینی زبان میں اپنی مشہور تصنیف 'تاریخ النص القرآنی' کی پہلی فصل مکمل کی تو چونکہ اس وقت تک لاطینی زبان ہی یورپ میں رواج پذیر علمی زبان تھی لیکن کسی مسلمان کا اس کتاب کو پڑھ پانا ممکن نہ تھا۔ اسی طرح یورپ میں ایسے افراد بھی نہیں تھے جو قبول اسلام کے مقصد سے تحقیقات قرآنی، اسلام، اس کے مقدس نصوص اور تاریخ اسلام میں دلچسپی رکھتے ہوں۔ اس لیے یہ رائے مزید مستحکم ہوجاتی ہے کہ ان تحقیقات کے پیش نظر قارئین یورپ کے جدید تعلیم یافتہ افراد ہی تھے۔

اس مختصر تبصرہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قرآن سے متعلق غیر مسلم محققین کے مقالات، مناہج وطریقہ کار اور ان کے نتائج جب مسلمانوں تک پہنچے تو انھیں مسلمانوں اور بالخصوص عربوں کی طرف سے سخت شکوک وشبہات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس بات کی ایک اہم ترین دلیل (جسے ان تاریخی عوامل کا نتیجہ بھی قرار دیا جاتا ہے) یہ ہے کہ قرآن کے موضوع پر علمی بحث وتحقیق کے میدان میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعاون کی ابتدائی کوششوں کو چھوڑ دیا جائے تو آج تک پھر اس کا وجود نہیں ملتا۔ عملی طور پر اس میدان میں تعاون کا آغاز تو ہوا لیکن بہت محدود پیمانے پر۔ یہاں میں دو مثالیں پیش کرنا چاہوں گا جن کو جرمن اور عرب کے بعض محققین یعنی مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان تعاون کی اساس سمجھا جاتا ہے۔

۱- نص قرآنی کے اس ایڈیشن کی جگہ پر جسے گوستاف فلوگل (Gustav Leberecht Flugel) نے شائع کیا تھا مصحف شریف کا وہ ایڈیشن شائع کیا گیا جو جامعہ ازہر کے نزدیک قابل اعتماد ہے۔

۲- دو جرمن محققین ''ڈاکٹر البریخت نوث'' (Dr. Albrecht Noth) اور ''ڈاکٹر جیرد رودیجار بوین'' (Dr. Gerd - Ruediger Puin) کو صنعاء میں قرآنی مخطوطات کی اصلاح ودرستگی کا کام سونپا گیا۔

۳- نص قرآنی سے متعلق گوستاف فلوگل (Gustav Leberecht Flugel) کا ایڈیشن اور اس میں موجود غلطیاں:

انیسویں صدی عیسوی میں یورپ میں غیر مسلموں کے درمیان وسیع پیمانے پر جو نص قرآنی عام ہوا، اس میں وہ مصحف بھی شامل تھا جس کی نشر و اشاعت کی خدمت گوستاف فلوگل نے ۱۸۳۴ء میں انجام دی تھی۔ اس کے بعد اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے جن میں سے آخری ایڈیشن کی تنقیح گوستاف، ایم، ریدسلوب (Gustav Maxurice Redslob) نے ۱۹۲۴ء میں کی۔

گوستاف فلوگل (Gustav Leberecht Flugel) (۱۸۰۲-۱۸۷۰ء) بڑا عالم و فاضل شخص تھا۔ اس نے ویانا میں عربی، فارسی اور ترکی مخطوطات کی ایک فہرست تیار کی۔ اسی طرح اس نے بعض نہایت اہم عربی کتابیں شائع کیں مثلاً اس نے ابن ندیم کی کتاب الفہرست کو پہلی بار تحقیق و تفتیش کر کے شائع کیا۔ یہ ایڈیشن یورپ میں پائے جانے والے اہم اور مشہور مخطوطات پر اعتماد کرتے ہوئے تیار کیا گیا تھا۔ اسی طرح ۱۸۳۳ء تا ۱۸۵۸ء کے درمیانی عرصے میں اس نے مشہور عثمانی دانش ور کاتب چلپی (۱۶۰۹-۱۶۵۷/ ۱۰۱۷-۱۰۶۷ھ) جو حاجی خلیفہ کے نام سے مشہور ہیں، ان کی کتاب **کشف الظنون عن اسماء الکتب والفنون** کو سات جلدوں میں شائع کیا۔ فلوگل نے قرآن کا بھی ایک ایڈیشن تیار کیا جو ۱۸۳۴ء میں القرآن- الہدی والفرقان کے نام سے شائع ہوا۔

فلوگل کے لاطینی زبان میں تحریر کردہ مقدمے سے اس ایڈیشن کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں اس نے نص قرآنی کے ان دو ایڈیشنوں پر مکمل اعتماد نہ کرنے کا سبب بیان کیا ہے جنھیں ابراہیم ہنکلیمان (Abraham Hinckelmann- 1652-1695) نے ۱۶۹۴ء میں اور لودوفیکو مارا تشی (Ludovico Marracci- 1612-1700) نے ۱۶۹۸ء میں شائع کیا تھا۔ مزید برآں یہ دونوں ایڈیشن پیچیدہ اور اسلام دشمنی پر مشتمل حاشیوں سے آراستہ ہیں۔ جنھیں مسیحی علماء نے تحریر کیا ہے اور ۱۷۸۷ء کے مطابق دوسرے

کارتانیا قیصرہ نے اس بات کا حکم دیا کہ روس کے مسلمان باشندگان کے لیے مصحف کا جدید ایڈیشن شائع کیا جائے۔

میرے علم کے مطابق نص قرآنی کا مسلمانوں کے ذریعہ تیار کردہ پہلا ایڈیشن ۱۸۰۱ء تا ۱۸۰۳ء کے درمیان تاتارستان جو اب روس کے ماتحت ہے کے موجودہ دارالسلطنت قازان سے شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں کی طرف سے مصحف کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے، ان میں پہلا ایڈیشن ہندوستان میں لکھنؤ سے ۱۸۵۰ء میں طبع ہوا۔ اسی طرح عثمانیوں کے دور میں مصحف کا پہلا ایڈیشن ۱۸۷۲ء میں استنبول سے شائع ہوا، فلوگل نے بھی ہندوستانی ایڈیشن کا ذکر کیا ہے۔

گوستاف فلوگل نص قرآنی کے ایڈیشن کو مشہور قراء کی ان قراءتوں کے مطابق شائع کرنے کا منصوبہ رکھتا تھا جن پر مفسرین نے اعتماد کیا ہے اور جنھیں عام مسلمانوں اور بالخصوص ترک اور عربوں نے اختیار کیا ہے اس سلسلے میں فلوگل نے علامہ بیضاوی کی تفسیر "انوار التنزیل وأسرار التأویل" کے ان مخطوطات پر اعتماد کیا جو برلین، ڈریسڈن اور فرانس میں موجود تھے اس تفسیر کا پہلا ایڈیشن ہاینرخ لیر بخت فلایشر (Geinrich Fleischer) (۱۸۰۱- ۱۸۸۸ء) نے ۱۸۴۶ تا ۱۸۴۹ء کے وقفے میں لیپزگ سے شائع کیا تھا جو دو جلدوں پر مشتمل تھا۔ اور اس کی طباعت اسی پریس میں ہوئی تھی جس میں فلوگل کے نص قرآنی کے ایڈیشن کی طباعت ہوئی تھی۔

گوستاف فلوگل نے زمخشری کی تفسیر "الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل" کے دستیاب نہ ہونے پر صراحت کے ساتھ اپنے غم کا اظہار کیا ہے، لیکن عثمانیوں کے دور میں تفسیر قرآن کا کثرت سے متداول ایک دوسرا مخطوطہ "إرشاد العقل السلیم إلی مزایا الکتاب الکریم فی تفسیر القرآن علی مذہب النعمان" جسے مشہور عثمانی دانش ور 'ابوالسعود محمد بن محمود بن مصطفیٰ العمادی' (۱۴۹۲-۱۵۷۴ء/ ۸۹۸-۹۸۲ھ) نے تحریر کیا تھا فلوگل کو آسانی سے فراہم ہو گیا تھا اس پر اس نے اعتماد کر لیا ہے اور آگے اشارہ کر دیا ہے کہ قرآن کریم کے نص صحیح تک پہنچنے کی کوشش میں اس نے چند اور مصاحف پر بھی اعتماد کیا ہے جو

اس وقت ویانا، برلین، ڈریسڈن کے کتب خانوں میں دستیاب تھے اور انہیں بہترین مصحف سمجھا جاتا تھا۔

فلوگل کا نص قرآنی کا ایڈیشن جن اغلاط و نقائص پر مشتمل ہے ان پر گفتگو کرنے سے قبل میں یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ یہ ایڈیشن مارا تشی (Ludovico Marracci) اور ہینکلمان (Abraham Hinckelmann) کے سابقہ ایڈیشنوں سے صرف اس طور پر مختلف نہیں ہے کہ اس میں غلطیاں کم ہیں۔ بلکہ اس اعتبار سے بھی مختلف ہے کہ فلوگل کا مقصود اپنے قراء کے سامنے صرف نص قرآنی کو پیش کرنا ہے۔ اس میں اس نے اپنی طرف سے کسی حاشیے کا اضافہ نہیں کیا ہے اور نہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نقد کیا ہے۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ قاری نص قرآنی کے سلسلے میں اس کے ناشر کی رائے سے متاثر نہ ہو۔ چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ فلوگل نے اپنے ایڈیشن کے ذریعہ نص قرآنی کے سلسلے میں ترقی کی ایک منزل طے کی ہے جہاں تک اس میں موجود غلطیوں کا تعلق ہے تو طباعت کے حروف انتہائی خراب اور قرآنی رسم الخط کے جمال کو ظاہر کرنے کے لیے ناموزوں ہیں۔ مزید برآں اس کے نتیجہ میں درج ذیل چند ایسی غلطیاں بھی وجود میں آگئیں جو اس نسخے کو مسخ کرنے میں اس سے بھی زیادہ معاون ہیں۔

(۱) اس میں موجود رسم الخط عثمانی رسم الخط یا کسی دیگر منقول طرز کتابت کے مطابق نہیں ہے۔

(۲) آیتوں کے فواصل عام طور پر غیر منظم ہیں اور ان کی ترقیم (Numbring) منقول و متوارث طریقہ کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ طباعت کی بھی بے شمار غلطیاں ہیں۔

بیسویں صدی عیسوی کے ایک جرمن عالم ڈاکٹر جوتھیلیف برجشتر سر (Gotthelf Bergstrasser) (۱۸۸۶-۱۹۳۳ء) جنھوں نے میونخ یونیورسٹی میں استاذ کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ اسی طرح مصری یونیورسٹی میں نومبر ۱۹۲۹ء تا جنوری ۱۹۳۰ء سامی زبان میں لیکچر دینے کے لیے بطور وزیٹنگ پروفیسر ان کا تقرر ہوا۔ انھوں نے

فلوگل کی ان تمام غلطیوں کو آشکارا کیا ہے۔ اور اس کے ایڈیشن کے استعمال کی مخالفت کی ہے۔ مصر میں قیام کے دوران برجشتر کو قرآن کریم کے موضوع پر اپنی متعدد علمی تحقیقات پیش کرنے کا موقع ملا۔

برجشتر سر نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں فلوگل کے ایڈیشن کا مطالعہ کیا تھا۔ اس وقت اس ایڈیشن کے علاوہ ایک دوسرا ایڈیشن بھی منظر عام پر آچکا تھا۔ جسے جامعہ ازہر کمیٹی نے ربیع الاول ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء میں مراجعت کر کے شائع کرایا تھا۔ اس کا علم برجشتر سر کو پہلی بار ۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء میں ہوا۔ ۱۹۲۹ء میں جب برجشتر کو مصر کا سفر درپیش ہوا تو وہ فلوگل کے ایڈیشن کو اپنے ساتھ لے گئے، لیکن جب وہ اسکندریہ پہنچے تو کسٹم آفیسر نے اس نسخے کو ضبط کرلیا اس لیے کہ مصر میں مصحف کے کسی ایڈیشن کو لے جانے کے لیے اجازت لینے کی شرط تھی۔ اس نسخے کو واپس حاصل کرنے کے لیے برجشتر سر نے انتہائی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ تب انھوں نے اس وقت کے قاہرہ کے شیخ المقارئ محمد بن علی بن خلف الحسینی کے دفتر کا رخ کیا وہاں پہنچے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہاں ان کا اپنا نسخہ موجود تھا۔ برجشتر سر کے بیان کے مطابق شیخ نے مراجع المصاحف (پروف ریڈر) شیخ علی بن محمد الحسن بن ابراہیم الضباع کو یہ ذمہ داری تھی کہ وہ فلوگل کے ایڈیشن کو دیکھ کر ایک رپورٹ لکھ دیں اس لیے کہ مصحف کے مطبوعہ نسخوں میں بہت غلطیاں ہونے لگی ہیں۔ برجشتر سر نے اس بات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ انھوں نے شیخ المقاری کے دفتر میں ایک فائل دیکھی جس میں غلطیوں پر مبنی مصاحف کو ضبط کیے جانے کے احکام تھے۔ ازہر کے ایڈیشن کی اشاعت کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ ۱۹۲۴ء سے قبل بعض اسلامی ممالک سے شائع ہونے والے بہت سے مصاحف غلطیوں سے محفوظ نہیں تھے۔ شیخ المقاری نے برجشتر سر کا نسخہ انھیں اس شرط کے ساتھ واپس کردیا کہ وہ اس میں درج کردہ تصحیحات وحواشی کا التزام کریں گے اور فلوگل کے نسخے کی دوبارہ اشاعت نہیں کی جائے گی۔ برجشتر سر نے اس شرط کو بخوشی قبول کرلیا کیوں کہ خود ان کے نزدیک فلوگل کے ایڈیشن کے بالمقابل مصر سے شائع شدہ مصحف کا ایڈیشن بہتر تھا۔

برجشتر سر نے اپنے ایک مقالہ بعنوان ''قرأۃ القرآن فی القاہرۃ'' میں جوان کی وفات سے چند ماہ قبل "Der Islami" نامی مجلّہ کے ۱۶/اگست ۱۹۳۳ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اپنی زندگی کے ان ایام کی روداد بیان کی ہے۔ اپنے اس مقالہ میں برجشتر سر نے مصحف کے مصری ایڈیشن پر تبصرہ کیا ہے یہ تبصرہ اس ایڈیشن پر کسی غیر مسلم محقق کا پہلا تبصرہ ہے۔ اس نے اس ایڈیشن کی تعریف میں درج ذیل الفاظ کہے ہیں۔ ''واقعی یہ ایک منفرد کاوش ہے جس کے لیے ہم مصری علماء بالخصوص موجودہ شیخ المقارئ کو تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ مصحف شریف کا یہ سرکاری ایڈیشن واقعی ایسی نادر تخلیق ہے جس سے بہتر یا جس کے مثل پیش کرنا یورپین مستشرقین کے لیے ممکن نہ تھا۔ یہ کلی طور پر یورپین اثرات سے مبرا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہمیں قدیم عمدہ اور ثمر بار اسلامی علوم کا بھی پتا چلتا ہے''۔ آگے مزید لکھتے ہیں کہ ''مصحف شریف کا یہ ایڈیشن صرف اور صرف علم قرأت کے منہج کا نتیجہ ہے۔ اور اہل یورپ کے لیے اپنی تمام باریک بینیوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کے باوجود اس کے معیار تک پہنچنا ناممکن ہے''۔

مصحف کا یہ مصری نسخہ جس کا برجشتر نے تذکرہ کیا ہے یہی ان دنوں رائج ہے۔ وہ عاصم سے منقول قرأت حفص کے مطابق ہے۔ میرے اپنے علم کے مطابق یہی وہ نسخہ ہے جو شاہ فہد اکیڈمی برائے طباعت مصحف شریف مدینہ منورہ کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے، جس کے ساتھ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم شائع کیے گئے ہیں۔ اس کے برعکس مصحف کا فلوگل کا جو نسخہ ہے اس پر برجشتر سر نے واضح اعتراضات کیے ہیں انھوں نے لکھا ہے کہ ''انیسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں یورپ سے شائع شدہ اکثر عربی کتابوں کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس وقت رائج شدہ معیار کے مطابق پسندیدہ سطح پر ہیں۔ لیکن جہاں تک نص قرآنی کے متعلق فلوگل کے ایڈیشن کا تعلق ہے تو وہ کم سے کم اس دور کے لحاظ سے بھی کوئی ایسی نادر کاوش نہیں تھی جو لائق ستائش ہو۔ جب پہلی مرتبہ ۱۸۳۴ء میں یہ ایڈیشن منظر عام پر آیا تو اس میں بے شمار غلطیاں تھیں۔ نہ صرف مغرب میں طے شدہ عربی نصوص کے مخصوص معیار کے لحاظ سے ہی بلکہ مشرقی

معارف اور اس کے وسائل کے مخصوص معیار کے لحاظ سے بھی۔ پورے یورپ اور بالخصوص جرمن میں استشراق کے لیے یہ بات باعث عار ہے کہ وہ تقریباً ایک صدی تک یہ محسوس کرتا رہا کہ اس نسخے کا کوئی بدل نہیں ہے''۔ آگے لکھتے ہیں کہ: ''قرآن کریم کا مصری سرکاری نسخہ اب سارے یورپین مقالہ نگاروں کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی اشاعت کے وقت سے اب تک نص قرآنی کے فلوگل کے ایڈیشن کو استعمال کرنا درست نہیں سمجھا جاتا''۔

لیکن ان تمام اعتراضات کے باوجود بیسویں صدی عیسوی کے وسط تک فلوگل کے ایڈیشن کی اثر پذیری قائم رہی۔ تقریباً دو صدیاں گزر جانے کے باوجود یورپین محققین آیات قرآنی کے حوالہ کے لیے اسی ایڈیشن پر اعتماد کرتے تھے۔ لیکن قرآن سے متعلق ان یورپین تحقیقات کی فروگذاشتوں سے بچنے کے لیے بہت سے یورپین محققین ایک عرصہ دراز تک دونوں ایڈیشنوں کے نمبر کے مطابق آیات کے حوالے دیتے تھے۔ یعنی ازہر کے ایڈیشن میں آیتوں کے کوفی نمبر اور فلوگل کے ایڈیشن کے مطابق آیتوں کے نمبر۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم یورپین مقالات میں آیتوں کے نمبر دونوں ایڈیشنوں کے مطابق درج کیے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر کسی آیت کا حوالہ یوں درج کیا جاتا تھا: سورہ ۲، آیت ۲۰۰ (۱۹۶) اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ کوفی ترقیم کے مطابق سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۰۰ ہے جس کا نمبر فلوگل کے ایڈیشن کے مطابق ۱۹۶ ہے۔ حوالہ کا یہ انداز ہر اس شخص کے لیے باعث حیرت اور ناقابل فہم ہوتا تھا جو نمبرات کے اس پس منظر سے ناآشنا ہوتا تھا۔ بہت سی یورپین کتابوں میں ایسی متوازی فہرستیں بھی ملتی ہیں جس میں آیتوں کے نمبر فلوگل کے ایڈیشن کے مطابق درج کر کے اس کے بالمقابل مصری ایڈیشن کے نمبر درج کر دیے گئے ہیں۔ بہر حال اب یورپین محققین بھی آیتوں کے نمبر درج کرنے کے معاملے میں کوفی ترقیم ہی کو اختیار کرنے لگے ہیں۔

مصحف کے ایڈیشن کے ساتھ ساتھ فلوگل نے ''نجوم الفرقان فی أطراف القرآن'' کے نام سے قرآنی الفاظ کا ایک 'معجم مفہرس' بھی تالیف کیا تھا۔ اس معجم میں وہ تمام

غلطیاں موجود تھیں جو نص قرآنی سے متعلق فلوگل کے ایڈیشن میں تھیں۔ اس ایڈیشن کی طرح اب یہ معجم بھی متروک ہوگیا ہے۔ اور اس کا استعمال اب باقی نہیں رہا ہے۔ بلکہ اس کی جگہ مشہور مصری محقق محمد فؤاد عبدالباقی کا تیار کیا ہوا المعجم المفہرس متداول ہے۔ یہ بات باعث حیرت ہے کہ فؤاد عبدالباقی نے اپنے معجم کے مقدمے میں فلوگل کے معجم کی تعریف و تحسین کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''اس فن میں بالاتفاق سب سے عمدہ اور سب سے جامع کتاب جرمن عالم گوستاف فلوگل کی معجم ہے جو پہلی بار ۱۸۴۲ء میں طبع ہوکر منظر عام پر آئی۔ میں نے اپنی معجم کے لیے اسی کو محور اور اساس بنایا ہے''۔ اگرچہ دور حاضر میں کمپیوٹر کی تکنیک جس بلند مقام پر پہونچ گئی ہے اس کی وجہ سے عبدالباقی کی معجم بھی بڑی حد تک ازکار رفتہ (Out of date) ہوگئی ہے۔ ۱۹۲۴ء میں الفاظ قرآنی کی ایک اور معجم فرانسیسی زبان میں منظر عام پر آئی ہے۔ جسے میرزا کاظم بک نے ترتیب دیا تھا۔ البتہ کسی مسلمان کی تالیف کردہ سب سے پہلی معجم ۱۸۱۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی افسوس کہ اس کے مؤلف کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل سکا۔

اب ہم ایک بار پھر برجسترسر کے تذکرے کی طرف واپس آتے ہیں ان کی درج ذیل تصانیف بھی ہیں:

(۱) مشروع حواش علی القرآن، ۱۹۳۰ء میں میونخ سے شائع ہوئی۔

(۲) قراءۃ الحسن البصری للقرآن، یہ مقالہ مجلہ Islamica کے دوسرے شمارے میں ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا۔

(۳) تاریخ القرآن، جزء سوم، تاریخ النص القرآنی، اوتو برتیزل کے اشتراک سے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۸ء میں منظر عام پر آیا۔

برجسترسر کا ایک اہم پروجیکٹ قرآن کے حواشی کی تالیف تھا اس سے ان کا مقصود عربی مراجع کے مطابق منقول قراءتوں کو مکمل طور پر پیش کرنا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے قرآن کی سات، دس یا چودہ قراءتوں پر انحصار نہیں کیا، بلکہ انھوں نے بہ حد امکان ان تمام قراءتوں کو جمع کرنے کی کوشش کی جسے بعض قراء نے پڑھا ہو۔ چاہے اس کو

عمومیت حاصل نہ ہوئی ہو اور اس کی حیثیت شاذ قرأت کی ہو۔ اس سلسلے میں برجشتر سر نے ''مختصر شواذ القرآن من کتاب البدیع لابن خالویہ'' پر اعتماد کر کے اپنے کام کا آغاز کیا، جو ۱۹۳۴ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی ہے۔ اسی طرح ابن جنی کی کتاب "المحتسب" کے ایک جزء ''شواذ القراءات لابن جنی'' مطبوعہ ۱۹۳۳ء پر بھی ان کا اعتماد رہا۔ جس میں 'ابن جنی' نے ابن مجاہد کی کتاب ''الشواذ'' پر اعتماد کیا ہے۔ اس کے ساتھ برجشتر سر نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ اس کے حواشی عربی مخطوطات بالخصوص کوفی رسم الخط میں لکھے ہوئے قدیم مصاحف کے مطالعات پر مشتمل ہوں۔ اسی مقصد کے تحت انھوں نے کوفی رسم الخط کے نص قرآنی پر مشتمل مخطوطات کی فلمیں جمع کرنے کا آغاز کیا۔ چنانچہ قاہرہ اور استانبول میں برجشتر سر نے دسیوں عربی مخطوطات اور متعدد قرأت سے متعلق مخطوطات کی فلمیں حاصل کیں۔ لیکن ان کی اچانک وفات اور دوسری عالمی جنگ کی وجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

صنعاء میں قرآنی مخطوطات کی ترمیم و اصلاح

تقریباً چالیس سال قبل (ایک اندازے کے مطابق ۱۹۷۲ء میں) صنعاء کے قومی میوزیم کے تہہ خانوں میں چند بڑے نادر ذخیرے دریافت ہوئے۔ ان میں کھالوں پر تحریر کردہ پندرہ ہزار مخطوطات کے ٹکڑے موجود تھے۔ جو تقریباً ایک ہزار مصاحف پر مشتمل ہوں گے۔ اب تک جو مخطوطے دریافت ہوئے ہیں انہیں پہلی صدی ہجری کے نصف آخر یا دوسری صدی ہجری کے نصف اول کے اولین مخطوطے ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ حجم کے اعتبار سے بھی یہ کھالیں یکساں نہیں ہیں۔ اسی طرح ان میں سے کچھ مخطوطے مکمل صحائف پر مشتمل ہیں۔ لیکن اکثر و بیش تر صحائف کے ایسے اجزاء پر مشتمل ہیں جن میں صرف بعض الفاظ شامل ہیں یہ کھالیں مکمل مصحف پر مشتمل نہیں ہیں۔ ان میں سے اکثر کی حالت ناگفتہ بہ ہے اس لیے کہ وہ یا تو پھٹے ہوئے ہیں، یا ایک دوسرے میں پیوست ہیں اور ان میں نمی اور کرم خوردگی کے اثرات ہیں۔ جو کسی چیز کے عرصہ تک عدم استعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں اور اس کے تقدس کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے ضائع کرنا بھی ممکن نہ ہوا لیکن اس

کی حالت کو دیکھتے ہوئے اسے ایک مدت دراز تک بڑے پیمانے پر جمع کر کے رکھنا بھی بہتر نہیں۔ قدیم اسلامی مخطوطات کی اصلاح و درستگی کے لیے ۱۹۸۰ء میں جرمن اور یمنی حکومتوں نے ایک وفاقی معاہدہ پر دستخط کیا اور ۱۹۸۱ء میں صنعاء کے دارالمخطوطات میں ان مخطوطات کی اصلاح و درستگی کے لیے جدید ٹکنالوجی پر مشتمل ایک ورکشاپ کے قیام کے بعد اس کام کا آغاز ہو گیا۔ اس کام کا سہرا قاضی اسماعیل الاکوع کے سر جاتا ہے جو اس وقت یمن میں مکتبات و آثار کے عام کمیشن کے صدر تھے۔ ان کا ساتھ جرمن کی طرف سے استاذ ڈاکٹر البریشت نوث نے دیا جو بون یونیورسٹی میں استاذ تھے۔ پھر ہابرگ یونیورسٹی میں اپنی وفات تک شعبہ دراسات اسلامیہ کے صدر کے عہدے پر فائز رہے۔ ان کھالوں کی اہمیت اتنی زیادہ کیوں ہے؟ اس کا ایک اہم سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب گمان کے مطابق ان میں سے کچھ کھالیں پہلی صدی ہجری کی تحریر کردہ ہیں۔ اور انھیں عربی زبان کی تدوین سے متعلق قدیم ترین شواہد کی حیثیت حاصل ہے۔ ان صحیفوں میں ایک کے سرورق پر ہمیں تعمیراتی نقشے ملتے ہیں اور اس کی پشت پر سورہ فاتحہ درج ہے، ماہرین کا خیال ہے کہ یہ شاندار مصحف جس کے کچھ حصے کھالوں پر لکھے ہوتے تھے وہ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (عہد حکومت ۷۰۵ تا ۷۱۵ھ) کے حکم سے دمشق میں ضبط تحریر میں لائے گئے تھے۔ مشہور ہے کہ اس اموی خلیفہ نے دمشق میں عظیم مسجد اموی کی تعمیر کے ساتھ ساتھ صنعاء میں جامع کبیر کی اصلاح و تجدید کا بھی حکم دیا تھا اس سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اموی حکومت یمن پر کتنی توجہ دیتی تھی۔ یمنی دارالسلطنت صنعاء میں جو قرآنی کھالیں دستیاب ہوئی ہیں ان سے ہمیں عربی خط کے مختلف مراحل سے متعلق اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ ان کھالوں میں ہمیں بعض ایسے مصاحف کے بقایہ جات بھی دستیاب ہوئے ہیں جو انتہائی عمدہ مکی مدنی یعنی حجازی رسم الخط میں تحریر کردہ ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر کھالیں کوفی رسم الخط میں ہیں۔ مزید برآں ان کے ذریعہ سے ہمیں چند اہم ترین پہلوؤں سے بھی آگاہی ہوتی ہے اور اس سے نص قرآنی میں نقطوں کی تبدیلی کی بھی وضاحت ہوتی ہے اور حرکات و سکنات کی ابتدائی شکلوں کا علم ہوتا ہے کہ بعض حرکات،

تشدید، سکون اور ھمزہ لکھنے کی کیفیت کیا تھی؟ حرف کی صورت میں یا تنہا اور آیتوں کے درمیان فواصل کی مخصوص علامتوں میں کس طرح تبدیلی واقع ہوتی؟ سورتوں کے نام کس طرح ضبط تحریر میں لائے گئے؟ کس طرح کی کھالیں اور کیسی روشنائی استعمال کی گئی؟ مصاحف کی جلد سازی کس طرح کی گئی؟ وغیرہ۔

یمن میں دستیاب ان مخطوطات میں سے چند مخطوطات کا رسم الخط عثمانی رسم الخط سے مختلف ہے مثلاً لفظ کے درمیان 'الف' ہلکا سا کھینچ دیا گیا ہے 'یاء' بغیر نقطے کے ہے اور یہ لفظ 'مجراھا' کے معاملے میں منحصر نہیں ہے، بلکہ سورہ 'جن' کی چھٹی آیت میں "رجال" کے لفظ اور سورہ انعام کی انیسویں آیت 'الـــــہ' میں بھی یہ طرز تحریر ہے۔ صنعاء میں دستیاب مخطوطات کی باریک بینی سے تحقیق کے ذریعہ عربی کتابت کی قدیم ترین نوعیتوں سے متعلق ہماری معلومات میں اضافہ ہوسکتا ہے اور بعض اخباری رپورٹوں کے برعکس یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ صنعاء کے مخطوطات متواتر نص قرآنی سے کسی طرح مختلف نہیں ہیں۔ ان کے درمیان جو کچھ اختلاف ہے وہ بس رسم الخط، سورتوں کی ترتیب، آیتوں کے درمیان فواصل کی آیات، احزاب، اجزاء اور منازل کے مابین فواصل سے متعلق ہے۔

ان مخطوطات کا تقریباً ایک تہائی حصہ یمن سے تعلق رکھتا ہے۔ جب کہ باقی ماندہ عالم عربی کے دیگر علاقوں سے متعلق ہے اب تک اس کے زیادہ تر حصوں کی اصلاح ہوچکی ہے۔ اور اس کی اصلاح و درستگی اور فہرست سازی بھی کی جاچکی ہے۔ اور اس میں شامل نص قرآنی سے بھی آگاہی ہوچکی ہے۔ ان کھالوں کی حفاظت کی غرض سے ہر کھال کو شفاف اور بند پلاسٹک کے غلاف میں اس طرح رکھ دیا گیا ہے کہ اس میں ہوا بھی لگتی رہے، تاکہ وہ خراب نہ ہوں اور محققین کے لیے ان سے استفادہ بھی ممکن رہے اور یہ مخطوطے دارالمخطوطات میں دستیاب ہیں جو صنعاء کی الجامع الکبیر کے سامنے واقع ہے۔ افسوس کہ ان مخطوطات کی اصلاح و ترمیم کا عمل ابھی اختتام کو نہیں پہنچ سکا ہے۔ اسی طرح اب تک جو تحقیقات شائع ہوسکی ہیں وہ ان میں سے بہت کم مخطوطات سے متعلق ہیں۔ اس کام کو جاری رکھنا بہت ضروری ہے۔

اوپر کی سطور میں دو مثالیں پیش کی گئی ہیں جن میں قرآن کریم کے تعلق سے مسلم وغیر مسلم علمی تعاون کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن یہ تعاون اب کوئی عام بات نہیں ہے کیوں کہ قرآن کے موضوع پر بحث وتحقیق سے متعلق بعض مسلم اور غیر مسلم نیز بعض عرب اور جرمن محققین کے تعاون کو جو مشکلات وچیلنجز درپیش ہیں وہ ان رکاوٹوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہیں جو اس طرح کے کسی دوسرے علمی میدان میں پیش آتی ہیں۔ اس لیے کہ محققین کی ایک بڑی تعداد کے نزدیک قرآن کریم سے متعلق بحث وتحقیق میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا باہمی تعاون درست نہیں ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ تہذیبی اور سماجی علوم سے متعلق بحث وتحقیق کی عالم گیریت وقت کے ساتھ ساتھ اس بات کو لازم کردے گی کہ قرآن کریم سے متعلق بحث وتحقیق کے میدان میں بھی مشترکہ کوششیں انجام دی جائیں۔

(ندوۃ: القرآن الکریم فی الدراسات الاستشراقیۃ فی الفترۃ من ۱۶-۱۸/ ۱۰/ ۱۴۲۷ھ، الموافق: ۷-۹/ ۱۱/ ۲۰۰۶ء)